قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی صورتیں
(احکام شرعیہ اور معاصر تطبیقات کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ)

حافظ معظم شاہ*

غلام یوسف**

Abstract

The modern financial transactions and especially Islamic financial institutions face the problem of default of client in timely payment of debts or installments. Likewise, in supply contracts either supplier or purchaser faces the same problem. Such defaults in payment or failing to fulfill the obligations sometimes cause huge losses to the other party. To manage their credit risk, the agreements through which the Islamic financial institutions provide credit facility to the client include penalty clauses relating to delay in payment on the part of a solvent debtors or delay on the part of contractors in fulfilling their obligations. Default in payment on the part of a solvent debtor is unjust. However, if default in payment is justified by an established *shariah* reason, then *shariah* emphasizes to provide more time to the debtor by extending deadline of payment. It is also not permitted to claim compensation from such debtor even if he is a solvent defaulter as this compensation falls under the category of Riba (interest). So, there is need of shariah analysis of all these penalty clauses included in the agreements of the Islamic financial institutions for credit facility. This study aims to analyze the transactions of the Islamic financial institutions relating to delay on the part of debtors or contractors in fulfilling their obligations. This article proceeds from an introduction of the subject and instructions of shariah regarding solvent debtor. The next part discusses the shariah analysis of conditions generally imposed upon solvent debtor in modern financial transactions. These conditions include immediate payment of all the outstanding future installment, a unilateral promise to donate a specific amount in a charity fund, deduction of the amount owed to bank from the client's other account without his consent and repossession of the sold asset by the bank in case of deliberate delay in payment by the solvent debtor. The last part of this study consists of the conclusion and findings of this article.

Keywords:

* لیکچرر، شعبہ شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

** چیئرمین، شعبہ شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مضمون کا تعارف:

اللہ رب العزت نے لوگوں کے مصالح اور دنیاوی مفادات کو اجتماعیت اور ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا ہوا ہے۔ چنانچہ لوگ اپنی ضروریات کے سلسلے میں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور کوئی بھی شخص دوسرے لوگوں سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ ان ضروریات میں سے ایک ضرورت قرض لینے کی ضرورت بھی ہے جس کی لوگوں کو اکثر وبیشتر ضرورت پیش آتی ہے۔

قرض کے لین دین کا عمل زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے کیونکہ لوگوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کیلیے اس کی ضرورت ہوتی تھی جبکہ آج کل کی جدید دنیا اور تیزی سے تغیر پذیر حالات میں قرض کی ضرورت صرف بنیادی ضروریات کیلیے نہیں ہوتی بلکہ کاروباری ضروریات اور اس کے مزید پھیلاو کیلیے بھی ہوتی ہے اور قرض کے یہ معاملات اشخاص، اداروں اور حکومتوں کے درمیان بھی ہوتے ہیں۔

تاہم اس سلسلے ایک مشکل یہ پیش آتی ہے کہ مقروض وقت پر قرض واپس نہیں کرتا اسی طرح جو شخص ادھار یا قسطوں پر چیز خریدتا ہے وہ وقت پر رقم کی ادائیگی نہیں کرتا۔ پھر کبھی تو یہ تاخیر کسی حقیقی مجبوری کی وجہ سے ہوتی ہے اگر کوئی حقیقی مجبوری ہو تو شریعت میں ایسی صورت میں مزید مہلت دینے کا حکم ہے اور کبھی ادائیگی میں تاخیری حربے استعمال کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے جس سے قرض دینے والے کو یا ادھار اور قسطوں پر چیز فروخت کرنے والے کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ان مشکلات سے بچنے کیلیے اور تاخیری حربے استعمال کرنے والے مقروض کو وقت پر قرض واپس کرنے پر مجبور کرنے کیلیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ جیسے کہ مالی جرمانہ کا نفاذ وغیرہ۔ درج ذیل سطور میں ان طریقوں کا شرعی جائزہ لیا جائے گا کہ ان میں سے کونسے طریقے شرعی نقطہ نظر سے درست اور کونسے غلط ہیں:

قرض کی ادائیگی میں تاخیری حربے شریعت کی نظر میں:

جو مقروض قرض کی ادائیگی پر قادر ہو، اس کا قرض کی ادائیگی میں تاخیری حربے استعمال کرنا ظلم ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَطْلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ، فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ[1]

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کہ صاحب استطاعت مالدار کا (قرض کی ادائیگی) میں تاخیری حربے استعمال کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو صاحب استطاعت مالدار کی طرف پھیر دیا جائے تو اس حوالہ کو قبول کرلینا چاہئے۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز خریدے یا کسی سے رقم قرض لے اور اس چیز کی قیمت یا رقم ادا کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قیمت یا قرض ادا نہ کرے اور قرض ادا کرنے میں تاخیری حربے استعمال کرے تو اس شخص کا اس طرح کرنا ظلم وزیادتی کے زمرے میں آئے گا اور حدیث شریف کے دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگر مقروض قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے کسی مالدار شخص سے یہ کہے کہ تم میرا قرض ادا کردو، تو اس صورت میں قرض خواہ کو چاہیے کہ وہ قرضدار کی اس بات کو فورا قبول کرلے تاکہ اس کا مال ضائع نہ ہو، اس کو اپنی رقم واپس مل جائے۔

امام مسلم نے صحیح مسلم میں یہی حدیث نقل کی ہے۔امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 'مَطلُ الغَنِيِّ ظلمٌ، قال القاضی وغيرُه المَطْلُ مَنعُ قَضَاءِمَا استحقَّ اداؤُه فَمَطلُ الغَنِيِّ ظُلمٌ وَ حَرَامٌ[2]

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ارشاد،مَطلُ الغَنِيِّ ظلمٌ کے بارے میں قاضی عیاض وغیرہ کا کہنا ہے کہ ٹال مٹول کا مطلب ہے ایسا حق جو کسی کے ذمہ ادا کرنا ضروری ہو اس کی ادائیگی میں تاخیری حربے استعمال کرنا ظلم اور حرام ہے۔

---

[1] البخاري،أبوعبد الله، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم (م:٢٥٦ھ) الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه، دار طوق النجاة،١٤٢٢ھ،٣: ٩٤، كتاب الحوالات، باب في الحوالة وهل يرجع في الحوالة،٣: ٩٤

[2] النووی، محی الدین یحی بن شرف، **المنهاج شرح صحيح مسلم بن حجاج**، (بيروت:دار احياء التراث العربی، ١٣٩٢ھ)،١٠: ٢٢٧

سُنن ابن ماجہ میں ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِيهِ،قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ:لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ» قَالَ عَلِيٌّ الطَّنَافِسِيُّ:يَعْنِي عِرْضَهُ شِكَايَتَهُ، وَعُقُوبَتَهُ سِجْنَهُ[3]

حضرت عمرو بن الشرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے مال و دولت موجود ہو اس کا تاخیر کرنا اس پر تنقید اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔ علی طنافسی کا قول ہے عِرْضَهُ سے مراد اس کی شکایت کرنا ہے اور عُقُوبَتَهُ سے مراد قید کرنا ہے۔

مالی جرمانہ کی شرط:

مقروض پر مالی جرمانہ (اضافی رقم) کی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ عوض نقد کی صورت میں ہو یا کسی عین چیز کی صورت میں ہو کیونکہ یہ سود کے زمرے میں آجائے گا۔

مثلاً اگر کسی شخص کے ذمے رقم کی ادائیگی واجب ہو چاہے وہ قرض لینے کی وجہ سے لازم آئی ہو یا کسی چیز کی خرید و فروخت کے نتیجے میں اس پر لازم آئی ہو اور اس ادائیگی کا ایک وقت مقرر تھا۔ پھر اس نے مقررہ وقت میں رقم ادا نہیں کی اب تاخیر کی صورت میں اس مقروض پر کوئی اضافی چیز لازم نہیں کی جا سکتی۔ چاہے اس نے تاخیر جان بوجھ کر کی ہو یا یہ کہ مجبوری کی وجہ سے تاخیر کی ہو۔ اسی طرح چاہے ابتداء عقد میں یہ شرط رکھی جائے یا تاخیر ہونے کے بعد شرط لگائی جائے دونوں صورتوں میں یہ اضافی رقم ربا (سود) ہے، جو کہ حرام ہے۔ پھر چاہے قرض خواہ کو تاخیر سے ادائیگی کی وجہ سے حقیقی نقصان ہوا ہو یا یہ کہ حقیقی نقصان تو نہ ہوا ہو لیکن فرصت ضائعہ Opportunity Cost کے مقابلے میں وصول کی جائے بہر صورت یہ ربا ہے۔

فرصت ضائعہ کا مطلب ہے کہ قرض خواہ اگر یہ رقم بروقت وصول کر لیتا تو وہ اس رقم سے سرمایہ کاری کرتا اور اس سے اس کو منافع حاصل ہوتا جبکہ مقروض کی تاخیر کی وجہ سے وہ اس نفع سے محروم ہو گیا ہے۔ بہر حال جو بھی صورت ہو مقروض پر اضافی رقم کی شرط لگانا جائز نہیں۔

---

[3] القزويني،ابن ماجة، أبوعبد الله محمد بن يزيد (م:٢٧٣هـ)، **سنن ابن ماجه**، بَابُ الْحَبْسِ فِي الدَّيْنِ وَالْمُلَازَمَةِ، (دارالرسالةالعالمية،٢٠٠٩ء)،٣: ٤٩٧

اگر شرط باقاعدہ نہ لگائی جائے بلکہ یہ معروف اور رائج ہو کہ ایسے معاملات میں اضافی رقم عموماً وصول کی جاتی ہو، تب بھی اضافی رقم لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ فقہ اسلامی کا معروف قاعدہ ہے کہ جو چیز عرف و رواج میں رائج ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے۔

علامہ علی حیدر آفندی شرح مجلۃ الاحکام میں لکھتے ہیں:

الْمَعْرُوفُ عُرْفًا كَالْمَشْرُوطِ شَرْطًا وَفِي الْكُتُبِ الْفِقْهِيَّةِ عِبَارَاتٌ أُخْرَى بِهَذَا الْمَعْنَى"الثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَالثَّابِتِ بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ"وَ"الْمَعْرُوفُ عُرْفًا كَالْمَشْرُوطِ شَرْعًا "و"الثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ.[4]

جو چیز عرف میں رائج ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے اور فقہی کتابوں میں اس قاعدہ سے ملتے جلتے اور قواعد بھی ہیں جو چیز عرف و رواج سے ثابت ہو اُس کا حکم ایسے ہی ہے جس طرح کوئی چیز دلیل شرعی سے ثابت ہو اور جو چیز عرف میں رائج ہو وہ شرعاً مشروط کے حکم میں ہوتی ہے اور عرف سے ثابت شدہ چیز کا حکم نص سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہوتا ہے۔

اس اضافہ کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ صریح ربا ہے اور ربا کی تعریف اس پر صادق آتی ہے۔

علامہ ابن القیمؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَأَمَّا الْجَلِيُّ فَرِبَا النَّسِيئَةِ، وَهُوَ الَّذِي كَانُوا يَفْعَلُونَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، مِثْلُ أَنْ يُؤَخِّرَ دَيْنَهُ وَيَزِيدَهُ فِي الْمَالِ، وَكُلَّمَا أَخَّرَهُ زَادَ فِي الْمَالِ۔[5]

جہاں تک جلی (ربا) کا تعلق ہے، تو وہ رباالنَّسِيئَةِ ہے اور دور جاہلیت میں ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر قرضدار قرض مؤخر کر دے تو رقم میں اضافہ کرے گا اور مقروض جب کبھی قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرتا تو (واجب الوصول) رقم میں اضافہ کر دیا جاتا تھا۔

نیز فقہائے کرام نے سود کی تعریف کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ وَحُرِّمَ كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا[6] یعنی ہر ایسا قرض حرام ہو گا جس میں منافع کا عنصر شامل ہو۔

---

[4] أفندي علي حيدر خواجه أمين،(م:، ١٣٥٣ھ)،**دررالاحكام فى شرح مجلة الاحكام**،(دارالجيل،١٩٩١ء)،١: ٥١

[5] الجوزية،ابن قيم،شمس الدين محمد بن أبي بكر بن أيوب(م:٧٥١ھ)،**إعلام الموقعين عن رب العالمين**،(بيروت: دارالكتب العلمية،١٩٩١م)،٢: ١٠٣

[6] الطحاوي،أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة(م:٣٢١ھ)،**شرح معاني الآثار**،(بيروت: عالم الكتب،١٩٩٤م)، ٤:٩٩

اس کے علاوہ مجمع الفقہ الاسلامی[7] نے بھی اپنی قرارداد میں بھی یہی فیصلہ کیا ہے اس میں مذکور ہے:

اِذَا تَاَ خَرَ المُشتَرِی المَدِینُ فِی دَفعِ الاَقسَاطِ عَنِ المَوعِدِ المُحَدَّدِ فَلَا یَجُوزُ اِلزَامہ اَیُّ زِیَادَۃ علَی الدَّینِ بِشَرطٍ سَابِقٍ اَو بِدُونِ شَرطٍ، لِاَنَّ ذَالِکَ رِبًا مُحَرَّمٌ[8]

وہ خریدار جس کے ذمہ رقم ابھی باقی ہے اگر وقت مقررہ سے قسط کی ادائیگی میں تاخیر کردے تو اس پر بقایا رقم (کے علاوہ) اضافی رقم لازم کرنا جائزہ نہیں چاہے اس (اضافہ) کی شرط پہلے سے لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو۔

مقروض سے بذریعہ عدالت اضافی رقم کا مطالبہ کرنا۔

قرض خواہ کے لئے مقروض سے تاخیر کی وجہ سے جس طرح خود اضافی رقم کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے اسی طرح بذریعہ عدالت اضافی رقم کا مطالبہ کرنا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ عدالت سے رجوع کرنے میں بھی قرض خواہ کا مقصد مقروض پر اضافہ کو لازم کرانا ہے۔ اور ایسا اضافہ سود ہے چاہے قرض خواہ خود اس کا مطالبہ کرے یا عدالت کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کرے، وہ صریح ربا ہی ہوگا اس لئے عدالت کے ذریعے بھی مطالبہ درست نہیں ہے۔

---

[7] مجمع الفقہ الاسلامی کا بنیادی تصور دراصل سعودی عرب کے سابق فرمانروا ملک خالد بن عبد العزیز نے پیش کیا تھا ۱۹۸۱ء میں جو اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں شاہ خالد نے یہ رائے پیش کی کہ عالم اسلام کے علمائے کرام اور فقہائے عظام کا ایک ایسا ادارہ قائم ہونا چاہئے جس میں نو بہ نو آنے والے مسائل پر فقہی نقطہ نظر سے غور کیا جائے اور اس کا حل تلاش کیا جائے یہ قرارداد شاہ خالد کی تحریک پر ۱۹۸۱ء کی اسلامی سربراہی کانفرنس نے منظور کی اور یہ ادارہ تمام اسلامی ممالک کی متحدہ تنظیم آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس جس کو عربی میں منتظمۃ المؤتمر الاسلامی کہتے ہیں اس تنظیم کے ماتحت یہ ادارہ قائم کرنے کا معاملہ طے ہوا اور اس غرض کے لئے ایک مجلس تاسیسی قائم کی گئی تمام ملکوں سے مختلف علماء اور فقہاء اور اہل فکر کو جمع کرکے اس کا ابتدائی ڈھانچہ اور دستور تیار کرنے کے لئے کہا گیا اس مجلس تاسیسی نے ابتدائی ڈھانچہ اور دستور تیار کیا اس دستور اور ڈھانچہ کو تمام اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی ایک کانفرنس میں منظور کیا گیا۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو http://www.iifa-aifi.org/iifa

[8] مجمع الفقة الاسلامی ،مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدوره السادسة،العدد۶، ۱۲: ۵۰۹

معاصر علماء کی آراء:

معاصر علماء میں سے شیخ مصطفی الزرقاء کی رائے میں اگر ایسا مقروض جو کہ قرض کی ادائیگی پر قادر تھا اور پھر بھی اس نے قرض کی بر وقت ادائیگی نہ کی جس کے نتیجے میں قرض خواہ کو کوئی نقصان ہو گیا تو ان کی رائے میں ایسے مقروض پر مالی معاوضہ لازم کرنا جائز ہے۔

چنانچہ شیخ مصطفی الزرقاء لکھتے ہیں:

مَبدَأٌ تعويضِ الدائن عَن ضَرَرِه نَتِيجَةً لِتأَ خِيرِ المَدِينِ فِي مَو عِدِه مَبدَأٌ مَعقُولٌ ،وَلا يُوجَدُ فِي نُصُوصِ الشَّرِيعَةِ وَ أُصُولِهَا وَمَقاصِدِهَا العَامَّةِ ما يُنَا فِي مَعَہ [9]

قرض خواہ کو اس خسارے کا عوض دینا جو کہ مقروض کے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ اس کی بنیاد معقول ہے اور شرعی نصوص، شرعی اصول اور مقاصد شرعیہ میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جو اس کے برخلاف ہو۔

تاہم ان کے ہاں اس کی یہ شرط ہے کہ اس پر پہلے سے اتفاق ہو چکا ہو۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَطْلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ [10]

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ صاحب استطاعت مالدار کا (قرض کی ادائیگی) میں تاخیری حربے استعمال کرنا ظلم ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ [11]

حضرت عمرو بن یحیٰ مازنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ۔

---

[9] الزرقاء، مصطفی أحمد، مجلة ابحاث الاقتصاد الاسلامی، العدد، الثانی، ۱۹۸۵، (سعودی عرب: جامعة الملک عبدالعزیز)، ۸۹

[10] البخاري،أبوعبد الله، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم (م:۲۵۶ھ)، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه، **كتاب الحوالات** ، باب في الحوالة وهل يرجع في الحوالة،۳ :۹۴

[11] الأصبحي،مالك بن أنس بن مالك(م:۱۷۹ھ)، الموطأ،مؤسسة زايدبن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية، أبو ظبي، الإمارات،۲۰۰۴م،**كتاب الأقضية**،الْقَضَاءُ فِي الْمِرْفَقِ،۴: ۱۰۷۸

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ۔قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُحِلُّ عِرْضَهُ يُغَلَّظُ لَهُ وَعُقُوبَتَهُ يُحْبَسُ لَهُ[12]

حضرت عمرو بن الشرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے مال و دولت موجود ہو اس کا تاخیر کرنا اس پر حق تنقید اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے عِرْضَهُ سے مراد ہے اُس پر سختی کی جائے گی (یعنی اس کو سزا دی جائے گی) اور عُقُوبَتَهُ سے مراد قید کرنا ہے۔

دلائل کا تجزیہ:

جو لوگ حقیقی نقصان کی صورت میں مالی عوض کے لزوم کے قائل ہیں وہ اوپر مذکورہ احادیث اور اس کے ہم معنی دیگر احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

ان حضرات کا مؤقف کوئی زیادہ قوی معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ان احادیث کی تشریح میں آج تک کسی نے بھی مالی عوض کو لازم قرار نہیں دیا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے ظالم کو محبوس کیا جائے اور اس کو دیگر طریقوں مجبور کیا جائے کہ وہ دین کی ادائیگی کر دے چنانچہ علامہ نووی" لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ "کے حدیث کے تحت فرماتے ہیں: قَالَ الْعُلَمَاءُ يُحِلُّ عِرْضَهُ بِأَنْ يَقُولَ ظَلَمَنِي وَمَطَلَنِي وَعُقُوبَتُهُ الْحَبْسُ وَالتَّعْزِيرُ[13]۔علما فرماتے ہیں (ٹال مٹول کرنا) اس پر تنقید کو حلال کر دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور اس نے میری قرض کی ادائیگی میں تاخیری حربے استعمال کیے ہیں اور اس کی سزا کو (بھی) حلال کر دیتا ہے یعنی اس کو قید کرنا یا کوئی اور سزا التعزیر کے طور پر دینا بھی جائز ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ (لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ) کے تحت لکھتے ہیں:

وَ"اللَّيُّ " هُوَ الْمَطْلُ: وَالظَّالِمُ يَسْتَحِقُّ الْعُقُوبَةَ وَالتَّعْزِيرَ. وَهَذَا أَصْلٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ: أَنَّ كُلَّ مَنْ فَعَلَ مُحَرَّمًا أَوْ تَرَكَ وَاجِبًا اسْتَحَقَّ الْعُقُوبَةَ؛ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ مُقَدَّرَةً بِالشَّرْعِ كَانَ تَعْزِيرًا يَجْتَهِدُ فِيهِ وَلِيُّ الْأَمْرِ

---

12 السِّجِسْتاني، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق (م:٢٧٥ھ)، **سنن أبي داود،** (بيروت: دارالرسالة العالمية،٢٠٠٩)، **كِتَاب الْأَقْضِيَةِ**،باب فِي الْحَبْسِ فِي الدَّيْنِ وَغَيْرِهِ،٥: ٧٤٣

13 النووی، ابو زکریا، محی الدین یحی بن شرف(م:٦٧٦ھ)، **المنهاج شرح صحيح مسلم بن حجاج**،(بیروت: داراحیاء التراث العربی،١٣٩٢ھ)،١٠: ٢٢٧

فَيُعَاقِبُ الْغَنِيَّ الْمُمَاطِلَ بِالْحَبْسِ فَإِنْ أَصَرَّ عُوقِبَ بِالضَّرْبِ حَتَّى يُؤَدِّيَ الْوَاجِبَ وَقَدْ نَصَّ عَلَى ذَلِكَ الْفُقَهَاءُ: مِنْ أَصْحَابِ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَلَا أَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا[14]

اور لفظ "لی" کا مطلب ٹال مٹول کرنا ہے اور ظالم سزا اور تعزیر کا مستحق ہے اور یہ ایک ایسا اصول ہے جس پر اتفاق ہے کہ جس کسی نے حرام یا ترک واجب کا ارتکاب کیا وہ سزا کا مستحق ہے اور اگر وہ (سزا) شریعت کی جانب سے مقرر نہیں ہے تو وہ تعزیر کہلائیگی جس (کی تعیین) میں ولی امر اجتہاد کرے گا پس ٹال مٹول کرنے والے امیر شخص کو قید کی سزا دے گا اور اگر وہ (عدم ادائیگی پر) اصرار کرے تو اس کو مارا جائیگا یہاں تک وہ اپنی ذمہ داری پوری کرلے۔ فقہا مالکیہ، شوافع، احمدؒ اور دیگر حضرات نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور مجھے اس میں (کسی کا) اختلاف معلوم نہیں۔

علامہ أبو محمد موفق الدین عبد اللہ بن أحمد ''المغني لابن قدامة'' **میں لکھتے ہیں:**

وَالرِّبَا عَلَى ضَرْبَيْنِ: رِبَا الْفَضْلِ،وَرِبَا النَّسِيئَةِ.وَأَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى تَحْرِيمِهِمَا۔[15] **ربا کی دو قسمیں ہیں:** رِبَا الْفَضْلِ **اور** رِبَا النَّسِيئَةِ، **اور ربا کی ان دونوں قسموں کی حرمت کے بارے میں علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔**

لہٰذا مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں۔

عدالتی کارروائی کی صورت میں عدالتی اخراجات کی ذمہ داری:

اگر مقروض کے رویئے اور تاخیری حربوں کی وجہ سے قرض خواہ کو اپنا حق ثابت کرنے کیلیے عدالتی کارروائی کی ضرورت پڑی تو مقدمہ دائر کرنے اور دعویٰ کو ثابت کرنے پر جو اخراجات آئیں گے وہ مقروض کو برداشت کرنے ہونگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقروض کی ٹال مٹول کی وجہ سے قرض خواہ کو یہ اضافی اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں لہٰذا اس وجہ سے یہ اخراجات مقروض کو برداشت کرنے پڑیں گے۔

---

[14] ابن تيمية، تقی الدين أبوالعباس، احمد بن عبدالحليم، (م:٧٢٨ھ)، مجموع الفتاوی، **مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف**،(المملكة العربية السعودية: المدينة النبوية،١٤١٦ھ)،٢٨: ٢٧٩

[15] ابن قدامة، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد، (م:٦٢٠ھ)، المغني لابن قدامة،(مصر: مكتبة القاهرة، ١٩٦٨ء)،٣: ٤

علامہ مرداوی اپنی کتاب الانصاف میں لکھتے ہیں:

لَوْ مَطَلَ غَرِيمُهُ حَتَّى أَحْوَجَهُ إِلَى الشِّكَايَةِ، فَمَا غَرِمَهُ بِسَبَبِ ذَلِكَ يَلْزَمُ الْمُمَاطِلَ[16]

اگر اس کے مقروض نے ٹال مٹول سے کام لیا یہاں تک کہ اس کو (عدالت سے) شکایت پر مجبور کر دیا تو اس (شکایت) کی وجہ سے جو (اخراجات) لازم ہونگے وہ مماطل (تاخیری حربے استعمال کرنے والا) مقروض کے ذمے واجب الاداء ہوں گے۔

اور اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ عبد اللہ المنیع لکھتے ہیں:

كما قالُوا بِضَمَانِ مَا غَرَّمَه مُحِقٌّ يُطَالِبُ بِحَقِّهِ الثَّابت مِمَّن كَانَ مِنه المَاطَلَةُ فى أَدَائه حتّى اَحوَجَه اِلى الشَّكَايَةِ وَالتقَاضِى[17]

جیسا کہ انہوں (فقہائے کرام) نے ادائیگی میں تاخیری حربے استعمال کرنے والے کو ان اخراجات کا ضامن ٹھرایا ہے جو صاحب حق کو اپنے ثابت شدہ حق کے مطالبہ میں اٹھانے پڑتے ہیں کیونکہ اس کی تاخیر کی وجہ سے وہ شکایت اور مطالبہ پر مجبور ہوا۔

رہن (سیکیورٹی) کا حکم:

اور اگر مقروض وقت مقررہ پر قرض کی ادائیگی نہ کرے تو قرض خواہ کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ سیکیورٹی کے طور پر رکھی گئی مرہونہ چیز کو بیچنے کا مطالبہ کرے تا کہ اپنا حق وصول کر سکے اور اس کو اس بات کی بھی اجازت ہے کہ وہ معاملہ کے شروع میں یہ شرط عائد کر دے کہ مقروض اگر قرض ادا نہیں کرے گا تو قرض خواہ کو مرہونہ چیز بیچ کر اپنا دین وصول کرنے کا حق ہو گا۔ اس صورت میں عدالت سے رجوع کئے بغیر قرض خواہ کو یہ حق ہو گا کہ وہ مرہونہ چیز کو بیچ کر اپنا حق وصول کر لے۔

چنانچہ علامہ بہوتی الروض المربع میں لکھتے ہیں:

(وَ) إِن (امتَنَعَ مِن وَفَائِهِ فَإِن كانَ الَّراهِنُ أَذِنَ لِلمُرتَهِنِ أَو العَدلِ) الَّذِي تَحتَ يَدِه الَّرهنُ (فِي بيَعِه بَاعَه) لِأَنَّه مَأْذُونٌ لَه فِيهِ، فَلا يُحتَاجُ لِتَجدِيدِ إِذنٍ مِنَ الَّراهِنِ[18]

---

[16] المرداوی، علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان بن أحمد(م:۸۸۵ ھ)، الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف، هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان،(مصر، القاهرة:جمهورية العربية،۱۹۹۵ء)،۱۳: ۲۳۵

[17] عبداللہ، المنيع، مؤقف الشريعة الاسلامية من ربط الحقوق و الالتزامات المؤجلة بمستوى الاسعار، مجلة مجمع الفقه الإسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الإسلامي بجدة ، العدد الخا مس،۵: ۱۴۱۸

اگر مقروض قرض کی ادائیگی نہ کرے، پس پھر اگر راہن نے مرتہن یا عدل، جس کے ہاتھ میں مرہونہ چیز پڑی ہوئی ہے، کو فروخت کی اجازت دی ہے تو اس کو فروخت کرے گا اور دوبارہ راہن سے اجازت لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

مرتہن کا مرہونہ چیز کا مالک بننا:

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مرتہن کے لئے یہ شرط لگانے کی اجازت ہے کہ اگر راہن نے بروقت ادائیگی نہ کی تو مرتہن اس مرہونہ چیز کا مالک ہو جائے گا؟

فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں اس طرح کی شرط لگانا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں مبیع کا مالک مرتہن بنے گا اور ابتدائے عقد میں اس کے مالک بننے کا اور نہ بننے کا یقین نہیں لہذا بیع غیر یقینی صورت حال کے ساتھ معلق ہو جائیگی کہ اگر قرض ادا کر دیا تو ٹھیک ہے، رہن کا مالک راہن مقروض ہی رہے گا لیکن اگر قرض ادا نہ کیا تو مرتہن مالک ہو جائے گا۔ لہذا غرر (یعنی غیر یقینی صورت حال) پائے جانے کی وجہ سے یہ شرط لگانا جائز نہیں۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"کیونکہ مرہونہ چیز راہن کی ملکیت ہوتی ہے اور حضور ﷺ کا قول کہ مرہونہ چیز کا مالک مرتہن نہیں بنتا، اس کا فائدہ بھی اس کو ہے اور اس کے اخراجات بھی اسی نے اٹھانے ہیں۔ مذکورہ حدیث میں ذکر کیا گیا کہ مرہونہ چیز کا مالک راہن ہوگا مرتہن نہیں ہو سکتا۔ البتہ وہ اس مرہونہ چیز کو فروخت کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ ابتدائی معاہدہ کی رو سے اس کو ایسا مطالبہ کرنے کا حق ہے۔ لہذا یہ شرط جائز نہیں۔[19]

قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے مؤجل قرض کا فوری واجب الآدا بن جانے کی شرط لگانا:

بعض اوقات مالی معاملات میں بیع مؤجل کی صورت میں بائع (مثلا بنک) یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر مشتری / مقروض بروقت قسطوں کی ادائیگی نہیں کرے گا تو اس کی تمام قسطیں فوری واجب الادا ہو جائیں گی۔ اب یہ شرط لگانا جائز ہے یا نہیں۔

---

[18] البهوتی، منصور بن یونس،(م:١٠٥١ھ)، **الروض المربع شرح زاد المستنقع**،(بیروت: دار المؤید، مؤسسة الرسالة)،١: ٣٦٨

[19] الزُّحَيْلِيّ،وَهْبَة بن مصطفى، **المعاملات المالية المعاصرة**،(دمشق: دارالفكر، ٢٠٠٢ء)، ٨٧

احناف کی کتابوں میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ ایسی شرط لگانا مطلقاً جائز ہے۔ چنانچہ علاؤالدین ابو بکر بن مسعود، کاسانی نے بدائع الصنائع[20] اور علامہ ابن عابدین نے ردالمحتارعلی الدرالمختار[21] میں اس کی تصریح کی ہے کہ اس طرح شرط لگانا جائز ہے اور دیگر ائمہ میں سے علامہ ابن القیم اس بارے میں اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

فَإِنْ خَافَ صَاحِبُ الْحَقِّ أَنْ لَا يَفِيَ لَهُ مَنْ عَلَيْهِ بِأَدَائِهِ عِنْدَ كُلِّ نَجْمٍ كَمَا أَجَّلَهُ فَالْحِيلَةُ أَنْ يَشْتَرِطَ عَلَيْهِ أَنَّهُ إنْ حَلَّ نَجْمٌ، وَلَمْ يُؤَدِّهِ قِسْطَهُ فَجَمِيعُ الْمَالِ عَلَيْهِ حَالٌّ[22]

اگر صاحب حق کو خوف ہو کہ جس کے اوپر حق ہے وہ ہر چاند (کی تاریخ) پر ادائیگی کا وعدہ پورا نہیں کریگا پس اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ اس پر یہ شرط لگادے کہ اگر وقت آنے پر اس نے قسط کی ادائیگی نہیں کی تو کل رقم فوری واجب الادا ہو گی۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے بھی اسی طرح کا فتویٰ دیا ہے۔ اس فتویٰ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"شرعاً یہ جائز ہے کہ بائع مؤجل بیع کی صورت یہ میں شرط عائد کر دے، کہ اگر مقروض بعض اقساط کی ادائیگی میں تاخیر کر دے تو تمام اقساط کی ادائیگی فوری طور پر واجب الاداء ہو جائے گی۔ بشرطیکہ مقروض عقد کرتے وقت اس شرط پر راضی ہو۔"

لہذا ایسی شرط لگانا جائز ہے۔ تاہم مذکورہ مسئلے میں یہ ضروری ہے کہ اس شرط کی تطبیق سے پہلے مقروض کو مناسب مہلت اور فرصت دی جائے تاکہ قرآن میں وارد تنگدست (قرض دار) کو مہلت دینے کا شرعی حکم پورا ہو جائے اور اس کو نقصان سے بچایا جاسکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[23]

---

[20] الکاسانی،علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی(متوفی۔۵۸۷ھ)،**بدائع الصنائع**، (دارالکتب العلمیة، ۱۴۰۶ھ۔ ۱۹۹۲، الطبعةالثانیة،۶: ۴۵

[21] ابن عابدین، محمد امین بن عمر،(م:۱۲۵۲ھ)،**رد المحتار علی الدر المختار**،(بیروت: دارالفکر،۱۴۱۲ھ)، ۴: ۲۴

[22] ابن قيم، محمد بن أبي بكر(م:۷۵۱ھ)، **إعلام الموقعين عن رب العالمين**، (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۱ھ)،۴: ۳۱

[23] البقرۃ: ۲۸۰

(ب) اور اگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے، اور صدقہ ہی کر دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں زیادہ بہتر ہے، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔

تاہم اس پر ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ بیع مؤجل میں جب قیمت کا تعین کیا گیا تھا اس وقت تاجیل یعنی مدت کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا گیا تھا اب اگر فوری ادائیگی واجب ہو گئی تو پھر اضافی رقم لینا اکل المال بالباطل (کسی کا مال باطل طریقے سے کھانے) کے ضمن میں آئے گا۔ کہ قیمت تو مؤجل ادائیگی کی وجہ سے اضافی لے لی اور ثمن کی ادائیگی فوری قرار دی گئی۔

اسی وجہ سے بعض معاصر علماء[24] (ص) نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر تمام اقساط کی فوری ادائیگی کی شرط لگائی جائے تو پھر مرابحہ کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ مرابحہ میں ربح اور فائدہ اتنا ہی لے کہ جتنے ایام گزر چکے ہیں اور جتنے ایام کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی ہے۔

لیکن مذکورہ صورت میں فوری ادائیگی واجب ہونے کی صورت میں اگر مذکورہ معاصر علماء کی آراء پر عمل کیا جائے تو اس سے بنک کو نقصان ہو گا۔ کیونکہ بنک (قرض خواہ) اس تمام منافع کو سامنے رکھ کر معاملہ طے کرتا ہے اور اسی بنیاد پر آگے مزید معاملات طے ہوتے ہیں۔۔ لہذا اس رائے پر عمل کرنے سے بنک کو مرابحہ کے عقد میں بھی مشکل کا سامنا ہو سکتا ہے اور وقت کے ساتھ کمی اور زیادتی ہو گی جس سے معاملہ سودی شکل اختیار کر لے گا۔

اس وجہ سے مجمع الفقہ الاسلامی کے فتویٰ کی روشنی میں ایسا اضافہ درست اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ دفع حرج اور ضرورت کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اس پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ بینکوں میں عموماً اس بنیاد پر معاملات طے ہوتے ہیں اور بینک اسی بنیاد پر آگے ذمہ داریاں اٹھاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ (اجل) تاخیر کی وجہ سے قیمت میں اگرچہ زیادتی ہوتی ہے لیکن (اجل) تاخیر کے مقابلے میں قیمت نہیں ہے (یعنی اضافی رقم نہیں) کیونکہ تاخیر کے مقابلے میں اگر اضافی رقم کی شرط ہو گی تو پھر یہ عین ربا ہو گا۔ لہذا جب ثمن تاخیر کے مقابلے میں نہیں ہے تو تاخیر کے ساقط ہونے سے قمیت ساقط نہیں ہو گی اور اگر قیمت میں سے بھی رقم ساقط کرے گا تو اس سے یہ شبہ مزید قوی ہو جائے گا کہ تاخیر کے مقابلے میں اضافی رقم کو رکھا جا رہا ہے۔ (واللہ اعلم)

---

[24] رفيق المصري ، بيع التقسيط ، مجلة مجمع الفقه الاسلامى،٦٣٩، محمد تقي عثمانى، **أحكام بيع التقسيط**، مجلة مجمع الفقه الإسلامي جدة، العدد٢٧،٦٢٢

جو حضرات اقساط کی فوری ادائیگی کی شرط لگاتے ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ وہ عمومی دلائل جو عام طور پر معاملات کے شروط پر جواز کی دلیل ہین جیسے رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ المسْلِمِينَ، إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا، وَالمسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ، إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا[25]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے البتہ وہ صلح جس میں حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دیا گیا ہو جائز نہیں۔ مسلمانوں کو اپنی شروط پوری کرنی چاہیے مگر کوئی ایسی شرط ہو جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے (یہ جائز نہیں)۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کے شرط کی ضرورت بھی ہے کیونکہ آج کل کے زمانے میں مقروض کا تاخیری حربے استعمال کرنا ایک معمول بن گیا ہے، اگر صریح نص نہ ہونے کے باوجود اس شرط کو بھی ناجائز قرار دیا جائے تو معاملات کرنے میں بہت مشکل پیش آئے گی۔

۳۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے: لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ۔[26] جس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے مال و دولت موجود ہو وہ ادائیگی میں ٹال مٹول کی وجہ سے عزت کا مستحق نہیں رہتا اور وہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اب اس میں عقوبت یعنی سزا کا ذکر عام ہے لہذا اس میں فوری ادائیگی کی سزا بھی شامل ہو گی۔

اس مسئلہ کے بارے میں دیگر نظائر اور مثالیں بھی موجود ہیں، جن کی وضاحت فقہائے کرام نے کی ہے۔

۱۔ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مقروض کے موت کی وجہ سے مؤجل ادائیگی فوری لازم ہو جاتی ہے۔[27]

۲۔ اسی طرح فقہائے مالکیہ کے نزدیک مقروض کی غربت و افلاس کی وجہ سے مؤجل ادائیگی فوری لازم ہو جاتی ہے۔[28]

---

[25] الترمذي،أبو عيسى،محمد بن عيسى بن سَوْرة (م:٢٧٩هـ) سنن الترمذي، (مصر:شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، ١٣٩٥هـ)،ابواب الاحكام، بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الصُّلْحِ بَيْنَ النَّاسِ،٣: ٦٢٦

[26] السِّجِسْتاني،أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق(م:٢٧٥هـ)،سنن أبي داود، **كِتَاب الْأَقْضِيَةِ**،باب فِي الْحَبْسِ فِي الدَّيْنِ وَغَيْرِهِ،٥: ٧٤٣

[27] إبن عابدين، محمد امين بن عمر،(م: ١٢٥٢ھ)، **ردالمحتار على الدرالمختار**،٥ : ٣١٩

[28] الدسوقی، محمد بن احمد، (١٢٣٠ھ)، **حاشية الدسوقی على الشرح الكبير**،(بيروت: دارالفكر)،٣: ٢٦٦

ان دونوں مسئلوں پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مؤجل دین (قرض) کی فوری ادائیگی کی صورتیں موجود ہیں۔ لہذا ضرورت کے پیش نظر یہاں بھی موجل دین کی فوری ادائیگی کو لازم اور جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

مرابحہ مؤجلہ میں اگر مشتری تاخیری حربے استعمال کرے تو بائع کا اصل مبیع (اگر اپنی حالت میں موجود ہو) واپس لینے کا حکم:

احناف کے ہاں اس صورت میں بھی بائع دیگر قرض خواہوں کی طرح صرف اپنا حصہ قرض وصول کرے گا جتنا اس میں سے اس کا بنتا ہے۔ اور عین مبیع صرف بائع نہیں لے گا بلکہ دیگر قرض خواہ کا بھی اس میں حق ہو گا۔[29] جبکہ جمہور فقہا کے ہاں اگر مبیع اپنی حالت میں موجود ہو تو وہ بائع کو مبیع لینے کا حق ہو گا۔

اس سلسلے میں جمہور فقہاء بخاری شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ – أَوْ إِنْسَانٍ – قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ [30]

اقساط میں تاخیر کی صورت میں مقروض کا التزام بالتبرع (مقروض کے لئے جبراً صدقہ و تبرع کی شرط لگانا):

جب صارف بنک سے مرابحہ مؤجلہ کے تحت کوئی چیز خریدتا ہے تو بنک کو یہ خوف ہوتا ہے کہ صارف اقساط کی بروقت ادائیگی میں تاخیر سے کام لے گا۔ جس سے بینک کو نقصان کا خطرہ ہے۔ اس مسئلے کے حل کیلئے معاصر علماء نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ صارف التزام بالتصدق کرے گا یعنی اس بات کا عہد کرے کہ اگر اس نے قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی تو وہ اتنی رقم صدقہ کریگا۔ یہ رقم بنک کی آمدنی نہیں ہوتی بلکہ یہ بنک کی نگرانی میں خیر کے کاموں میں خرچ کی جاتی ہے۔

لہذا جب بنک مرابحہ کرتا ہے تو وہ صارف کے ساتھ عقد کرتے ہوئے اس شرط کا اضافہ کرتا ہے کہ اگر صارف نے بروقت قسط ادا نہ کی تو یہ اتنی متعین رقم مثلا ۱۰۰۰۰ روپے یا یہ جتنا دین ہے اس کا مثلا 2٪ صدقہ کریگا اور یہ کہ یہ رقم بنک کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ بنک کی زیر نگرانی خیر کے کاموں میں خرچ کی جائیگی۔

---

[29] الکاسانی،علاء الدین، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، ۵: ۲۵۲

[30] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب من أدرك ماله بعينه عند رجل أو إنسان قد أفلس فهو أحق به من غيره،۳: ۱۱۸

مسئلے کا شرعی حکم اور دلیل:

معاصر علماء میں سے عبد اللہ المنیع نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔[31]

دلیل: ان حضرات کی دلیل حرمت ربا پر دلالت کرنے والی آیات کا م وہ عموم ہے جس میں مقروض سے تاخیر کی وجہ سے اضافی رقم وصول کی جا رہی ہے، اس وجہ سے یہ ربا ہے۔

جبکہ کچھ دیگر معاصر علماء نے اس طرح کے التزام کو جائز قرار دیا ہے۔ ان میں محمد تقی عثمانی،[32] اور ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی[33] شامل ہیں۔ اس مسئلے میں چونکہ مقروض کی طرف سے التزام تبرع ہے اور التزام تبرع تمام فقہاء کے ہاں جائز ہے۔ اور چونکہ مقروض اپنی مرضی سے اس شرط پر ابتدائے عقد میں ہی راضی ہے۔ لہٰذا اس پر بظاہر کوئی اشکال نہیں اور یہ سود و ربا بھی نہیں۔ کیونکہ ربا وہ ہوتا جہاں پر اضافی رقم قرض خواہ کی ملکیت بن جاتی ہے۔ جبکہ یہاں یہ رقم خیر کے کاموں میں صرف کی جاتی ہے، بنک کی ملکیت میں نہیں آتی۔

قدیم فقہا میں سے بعض فقہائے مالکیہ کے ہاں اس طرح کی شرط لگانے کا جواز ملتا ہے۔

چنانچہ علامہ حطابؒ تحریر الکلام فی مسائل الالتزام میں لکھتے ہیں:

إِذَا الْتَزَمَ أَنَّہ إِذَا لَم يُوفِہ حَقَّہ فِي وَقتِ كَذَا ، فَعَلَيہِ كَذَا وَكَذَا لِفُلَانٍ أَو صَدَقَةٍ لِلمَسَاكِينِ ، فَہٰذَا مَحَلُّ الخِلَافِ المَعقُودُلَہ بِہٰذَاالبَابُ فَالْمَشہُورَ أَنَّہ لايُقضیٰ بِہ كَمَاتَقَدَّمَ- وَقَالَ إِبنُ دِينَارٍ يُقضیٰ بِہ[34]

کہ جب اس نے اس بات کا التزام کر لیا کہ اس کا حق اس (متعین) وقت میں ادا نہ کیا تو اس (ملتزم) پر یہ (لازم) ہے یا اس پر مساکین کیلئے صدقہ لازم ہے تو یہ محل خلاف ہے جس کیلئے یہ باب باندھا گیا ہے۔ مشہور قول کے مطابق یہ فیصلہ نافذ العمل نہ ہو گا، جیسے گزر چکا ہے۔ لیکن علامہ ابن دینارؒ کے قول کے مطابق یہ فیصلہ نافذ العمل نہ ہو گا۔

پس یہاں پر مالکیہ میں سے ابن دینارؒ کے ہاں اس قسم کی شرط جائز ہے اور چونکہ وقت کی ضرورت ہے کہ لوگوں کے معاملات میں اور جدید تجارت میں تسہیل کیلئے تاخیری حربے استعمال کرنے والے مقروض پر اس قسم کی شرط رکھی جائے۔ تاکہ اس پر بروقت ادائیگی کا دباؤ بھی باقی رہے اور اگر اس قسم کی ادائیگی ہو تو اس سے فقراء کا بھی فائدہ ہو گا۔

---

[31] عبد الله المنيع، مطل الغنى، **الندوة الفقهية الرابعة لبيت التمويل الكويتى**،٣٢

[32] العثمانى، محمد تقى، بحوث في قضايا فقهية معاصرة،(دمشق: دار القلم الطبعة: الثانية،١٤٢٤ھ- ٢٠٠٣ م)،٤٢

[33] الزحيلي، وهبه مصطفى،**المعاملات المالية المعاصرة**،٣٤٠

[34] الحطاب، محمد بن محمد،**تحرير الكلام في مسائل الإلتزام**،(بيروت: دار الغرب الإسلامى،١٩٨٤م)، ١٧٦

اس التزام کی حیثیت ایک وعدہ کی ہے اور چونکہ احناف کے ہاں وعدہ اگرچہ قضاء لازم نہیں ہوتا، تاہم بعض احناف نے اس کی صراحت کی ہے کہ بوقت ضرورت اس کو لازم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں: لِأَنَّ المَوَاعِيدَ قَد تَكُونُ لَازِمَةً فَتُجعَلُ لَازِمَةً لِحَاجَةِ النَّاسِ[35] (اب) کیونکہ وعدے کبھی کبھار لازم ہوتے ہیں لہذا لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر ان کو لازم کر دیا جائے گا۔

جہاں تک فقہائے حنابلہ کا تعلق ہے تو ان کے ہاں اگر کوئی بیع میں یہ شرط لگائے کہ مشتری غلام کو خرید کر آزاد کرے گا تو اس طرح شرط لگانا جائز ہے۔[36] جب حنابلہ کے ہاں ایسی شرط جائز ہے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشتری کا التزام بالتبرع کرنا یا اس طرح کی شرط لگانا بھی حنابلہ کے ہاں جائز ہوگا۔

جب اس مسئلہ کے جواز کے بارے میں بعض معتبر فقہا کے اقوال موجود ہیں، تو ضرورت اور حاجت کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے جواز پر فتوی دینا بظاہر درست ہوگا۔ خصوصا جبکہ غیر سودی بنکاری میں اس مسئلے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور حکومتی سطح پر اس مسئلہ کا حل موجود نہ ہونے کی وجہ سے کئی سارے معاملات پیچیدہ ہو جائیں گے۔

عقد استصناع میں اضافی رقم کا مطالبہ:

تعمیراتی ٹھیکوں، سپلائی اور استصناع (آڈر پر کوئی چیز تیار کروانا) کے معاہدوں میں جرمانے کی شق لگائی جاتی ہے اور کبھی ٹھیکیدار / کام کرنے والے کی جانب سے تاخیر کی صورت میں اس کے بقیہ مالی حقوق سے جرمانے کی رقم منہا کر دی جاتی ہے۔ اس مسئلے کی وضاحت دو مختلف صورتوں میں کی جاسکتی ہے۔

پہلی صورت:

پہلی صورت یہ ہے کہ جس شخص کے ذمے، معاہدات اور عقود مین نقد ادائیگی کی ذمہ داری ہو جیسا کہ مستصنع (آڈر پر کوئی چیز تیار کرانے والا) یا درآمد کنندہ ہے اس پر یہ شرط لگائی جائے کہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اتنی رقم اضافی ادا کرے گا۔

شرعی حکم: یہ صورت ناجائز اور صریح ربا ہے اور اس پر ربا کی تعریف صادق آتی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

---

[35] ابن عابدین، محمد امین، **ردالمحتار علی الدر المختار**،۵: ۲۲۷

[36] ابن تيمية، تقي الدين أحمد بن عبد الحليم بن (م:۷۲۸ھ)، القواعد النورانية الفقهية، **دار ابن الجوزي**،۲۹۱

دوسری صورت:

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مال سپلائی کرنے والے یا مال آرڈر پر تیار کرنے والے پر یہ شرط لگائی جائے کہ اگر وہ مال کی فراہمی میں تاخیر کرے گا تو اس کے حقوق میں سے اتنی رقم منہا کی جائیگی۔ یہ متعین رقم بھی ہو سکتی ہے کہ ہر دن کی تاخیر پر مثلاً ۱۰۰۰۰ روپے منہا کی جائے یا عقد کی کل مالیت کے تناسب سے بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ہر دن کی تاخیر پر عقد کی کل مالیت کا ۵ فیصد ہو یا دس فیصد ہو۔

شرعی حکم:

جمہور معاصر علماء کے ہاں یہ شرط جائز ہے[37](ھ)

ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

پہلی دلیل:

پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے مطابق ہے۔ اور یہ شرط کسی حرام کو حلال نہیں کرتی اور نہ ہی حرام کو حلال کرتی ہے۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: المسلمون علی شروطہم[38](ت)۔

قاضی شریح کا قول ہے: مَنْ شَرَطَ عَلَى نَفْسِهِ طَائِعًا غَيْرَ مُكْرَهٍ فَهُوَ عَلَيْهِ[39](ب)۔ جس نے اپنے اوپر بغیر جبر و اکراہ کے کوئی شرط نافذ کی تو اس کو پورا کرنا اس پر لازم ہے۔

دوسری دلیل:

دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ شرط عقد کے شرائط کو پورا کرنے کیلئے اور عقد کے مصلحت میں ہے۔ اس میں متعاقدین کی بھی مصلحت ہے۔ اور ان کو ضرر سے بچانا بھی مقصود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لاضرر ولاضرار۔[40]

---

[37] هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية ،ابحاث هيئة كبار العلماء ، الشرط الجزائی،مكتبة ابن خزيمة الرياض ۱۴۱۲ھ،۱ : ۲۱۴، قرارات مجمع الفقہ الاسلامی جدہ، قرار رقم۶۵، (۳: ۷)

[38] الترمذي،أبو عيسى،محمد بن عيسى بن سَوْرة (م:۲۷۹ھ) سنن الترمذي، ،ابواب الاحکام، بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الصُّلْحِ بَيْنَ النَّاسِ،۳: ۶۲۶

[39] البخاري،الجامع الصحيح، **كتاب الشروط**، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الِاشْتِرَاطِ وَالثُّنْيَا فِي الإِقْرَارِ ،۳: ۱۹۸

[40] ابن ماجة، سنن ابن ماجة، باب مامن بنی فی حقه ما يضر بجاره،(دار إحياء الكتب العربية –فيصل عيسى البابي الحلبي)،۲: ۷۸۴

تیسری دلیل:

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس مسئلے کا قیاس اجارہ کے اس معروف مسئلے پر کیا جائے جس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے [41]۔ جس میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر مستاجر یہ کہے کہ اگر آج یہ کپڑا سیا تو ایک درہم اجرت ملے گی اور اگر کل سیا تو آدھا درہم اجرت ملے گی۔

تو چونکہ وہاں پر بھی اجرت کو عمل کی جلد تکمیل اور تاخیر سے تکمیل کے ساتھ معلق کیا تو اس مسئلے پر قیاس کرتے ہوئے استصناع اور مال مہیا کرنے کے معاہدوں میں تاخیر کی صورت حقوق سے رقم مہیا کی جاسکتی ہے۔ آج کل کے حالات میں اس قسم کی شرائط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

وَلَاشَکَّ أَنَّ الحَاجَۃَ دَاعِیۃٌ إلی مِثلِ ہٰذِہ الشَّرَائِطِ فِی المُقَاوَلَاتِ وَبہ جَرٰی العَمَلُ فِیہَا مِن غَیرِ نَکِیرٍ [42]

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مقاولات اور معاہدوں میں اس قسم کی شرائط کی ضرورت ہے اور پہلے سے اس پر بغیر کسی نکیر کے عمل جاری ہے۔

تاہم مندرجہ بالا شرط میں دو باتوں کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہوگا۔ پہلی بات یہ ہے کہ جرمانے کی رقم غیر معمولی حد تک زیادہ نہ ہو جس سے سپلائر کو نقصان ہو۔ بلکہ حقیقی یا تقدیری نقصان جتنی رقم ادا کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر غیر معمولی حالات آجائیں جو سپلائر کے بس سے باہر ہوں جیسا کہ فیکٹری میں آگ لگ جائے اور سب کچھ خاکستر ہو جائے یا جنگی حالات ہوں جس میں کام کرنا ناممکن ہو جائے اور ایسی وجوہات کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو پھر اس شرط پر عمل نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلے میں مجمع الفقہ الاسلامی کے قرار کے متن کا حصہ درج ذیل ہے۔

''یَجُوزُ أَن یَتَضَمَّنَ عَقدُ الإستِصناعِ شَرطًا جَزائِیًّا بِمُقتَضٰی مَا اتَّفَقَ عَلَیہ العَاقِدانِ ، ما لَم تَکُن ہُناکَ ظروفٌ قاہرۃٌ [43]۔ طرفین کی رضامندی سے عقد استصناع میں جزائی شرط لگانا جائز ہے۔ یہ شرط اس وقت نافذ العمل ہوگی کہ جب (مقاول) کو غیر معمولی مشکل حالات درپیش نہ ہوں۔

---

[41] ابن قدامة، عبدالله بن احمد، المغنی لابن قدامة، ۵:۳۷۶

[42] محمد تقی، العثمانی، فقه البیوع، معارف القرآن کراتشي ، ینایر۲۰۱۵ م ،۱: ۶۱۰

[43] مجمع الفقه الاسلامی، مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة السابعة، العدد: السابع، الجزء: الثالث ص:۱۱۳۳

بروقت ادائیگی نہ کرنے پر غیر مالی سزا:

جو آدمی دین کی ادائیگی میں تاخیری حربے استعمال کرے اور اس کا تعامل اچھا نہ ہو تو ایسے شخص کو غیر پسندیدہ لوگوں کی فہرست میں شامل کرنا اور دیگر اداروں کو اس کے اس کردار سے باخبر کرنا یہ جائز ہے۔۔ چاہے انہوں نے اس کے بارے میں استفسار کیا ہو یا براہ راست وہ ادارے آپس میں اس قسم کی فہرستوں کا تبادلہ کریں۔

اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ: لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ۔[44] جس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے مال و دولت موجود ہو اس کا تاخیر کرنا اس پر تنقید اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ٹال مٹول کرنے والے مقروض کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس پر تنقید بھی حلال ہے کہ لوگوں کو اس کے کردار کے بارے میں بتایا جائے تو یہ غیبت نہیں ہو گی۔ اور اس کو سزا دینا بھی جائز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ جب غیر پسندیدہ اشخاص کی فہرست میں اس کا نام شامل ہو گا تو اور ادارے اور اشخاص اس کے ساتھ تعامل یا تعاون نہیں کریں گے۔ اور یہی اس کے لئے سزا ہے۔

مدیون کا اصل رقم اضافہ کے ساتھ واپس کرنا:

ٹال مٹول کرنے والا مقروض اگر دین کی ادائیگی کے وقت اصل دین سے کچھ اضافی رقم بھی دے تو اس کو قبول کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس طرح کی اضافی ادائیگی کوئی لکھی ہوئی، زبانی، ملحوظ یا معروف شرط سے نہ ہو اور پہلے سے اس پر طرفین کا اتفاق بھی نہ ہو۔

شرعی دلیل:

قرض کی ادائیگی میں شریعت نے حسن قضاء کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابورافعؓ، حضور ﷺ کا ارشاد سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي رَافِعٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا، فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ إِبِلٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَأَمَرَ أَبَا رَافِعٍ أَنْ يَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ أَبُو رَافِعٍ، فَقَالَ: لَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلَّا خِيَارًا رَبَاعِيًا، فَقَالَ: «أَعْطِهِ إِيَّاهُ، إِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً»[45]

[44] السِّجِسْتاني،أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق(م:٢٧٥ھ)،سنن أبي داود،**كِتَاب الْأَقْضِيَةِ**،باب فِي الْحَبْسِ فِي الدَّيْنِ وَغَيْرِهِ،۵: ٧٤٣

حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے جوان اونٹ بطور قرض لیا پھر آپ ﷺ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے ابورافع کو حکم دیا کہ اس آدمی کا قرض اس کو واپس کردیں ابورافع نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا کہ میں ان اونٹوں جیسا اونٹ نہیں پاتا بلکہ اس سے بہتر ساتویں سال کے اونٹ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اسے یہی دے دو لوگوں میں سے بہترین وہ ہیں جو ان سے قرض کو اچھی طرح ادا کرنے والے ہوں۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض کی ادائیگی اضافہ کے ساتھ اور بہتر چیز واپس کی اور صحابہؓ کو بہتری اور حسن سلوک کی تعلیم دی۔

تاہم اضافہ کے ساتھ واپس کرنا اس وقت جائز ہے کہ جب پہلے سے طرفین کو یا قرض خواہ کو معلوم نہ ہو یا یہ کہ یہ عمل ان کے ہاں اس معاشرہ میں معروف نہ ہو کہ اضافہ کے ساتھ دین واپس کیا جاتا ہو۔ کیونکہ اگر پہلے سے معروف ہو گا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے پہلے سے مشروط ہو کیونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ " المعروف کا لمشروط'' اور شرح مجلۃ الاحکام للافندی میں ہے: المَعرُوفِ عُرفًا کالَمشرُوطِ شَرطًا[46]

''جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے حکم میں ہو گی''۔ لہذا دین کو اضافہ کے ساتھ واپس کریگا اور یہ ان کے ہاں پہلے سے معروف ہو گا۔ تو یہ ربا کے حکم میں ہو گا کیونکہ یہ ایسی زیادتی ہو گی جو گویا پہلے سے مشروط ہو گی۔

مسئلہ ظفر بالحق:

ظفر بالحق کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کا کسی دوسرے کے ذمے دین ہو اور وہ دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے تو کیا قرض خواہ کے لئے یہ جائز ہے کہ اگر کسی بھی طریقے سے اس کے ہاتھ مقروض کا مال لگ جائے تو وہ مقروض کی اجازت کے بغیر اس مال سے اپنا دین وصول کرے؟

---

[45]القشیری، مسلم بن حجّاج (م: ۲۶۱ھ)، المسند الصحیح المختصر ،دار احیا التراث العربی ، بیروت ،کتاب البیوع، باب جواز اقتراض الحیوان واستحباب توفیته خیرا مما علیه،۳: ۱۲۲۴

[46]آفندی، امین علی حیدر خواجه، (المتوفی ، ۱۳۵۳ھ)،درر الاحکام فی شرح مجلة الاحکام،۱: ۵۱۔

اس بارے میں علماء کے درج ذیل اقوال ہیں:

فقہائے احناف:

فقہائے احناف کا قول یہ ہے کہ قرض خواہ کے ہاتھ جو مال لگا ہے اگر وہ اس کے دین کی جنس سے ہے تو وہ بغیر اجازت کے اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اگر اس کے جنس سے نہیں ہے تو بغیر اجازت کے وصول نہیں کر سکتا۔ امام ابو بکر الرازی کے ہاں استحساناً وصول کر سکتا ہے۔[47]

فقہائے مالکیہ: فقہائے مالکیہ کے ہاں مختلف اقوال ملتے ہیں کہ آیا اس طریقے سے اپنا دین وصول کر سکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ چار اقوال منقول ہیں۔ ایک عدم جواز کا، دوسرا کراہت کا، تیسرا اباحت کا اور چوتھا قول استحباب کا ہے۔[48]

فقہائے شافعیہ:

فقہائے شافعیہ کے نزدیک یہ مطلقاً جائز ہے، کہ اگر قرض خواہ کے ہاتھ مقروض کا مال لگ جائے تو وہ اس سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ چاہے وہ اس کے دین کے جنس میں سے ہو یا دین کے علاوہ کے جنس سے ہو۔[49]

فقہائے حنابلہ:

فقہائے حنابلہ کا قول یہ ہے کہ قرض کی وصولی ظفر بالحق کے طریقے پر جائز نہیں، تاہم وہ اگر حق کی حیثیت سے ثابت ہو کہ جیسے نفقہ زوجہ ہے یا مہمان کا حق ہے، وہ اس (زوجہ) کو نہیں دیا جا رہا۔ یا (مہمان کو) کھانا نہیں کھلایا جا رہا۔ تو ان صورتوں میں بغیر اجازت کے لے سکتا ہے۔[50]

شرعی دلیل:

جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں وہ ان آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں امانت کو اس کے اہل تک پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ " اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا "[51]۔ بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو۔

[47] ابن نجیم، زین الدین بن ابراهیم، (م: ۹۷۰ھ) البحرالرائق شرح کنز الدقائق، (دار الکتاب الاسلامی)، ۷: ۱۹۲

[48] علیش، محمد بن أحمد، (م: ۱۲۹۹ھ)، منح الجلیل شرح مختصر خلیل، (بیروت: دار الفکر)، ۷: ۴۳

[49] الشافعی، محمد بن ادریس، (م: ۲۰۴ھ) کتاب الام، (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۰ء)، ۵: ۱۱۲

[50] البهوتی، منصور بن یونس، دقائق اولی النهی لشرح المنتهی، (عالم الکتب، طبع اول، ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳ء)، ۳: ۵۳۷

اور جو حضرات جواز کے قائل ہیں۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہندہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہے مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو میرے لئے اور میرے اولاد کیلئے کافی ہو۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِهِنْدٍ خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی حضرت ہند رضي الله عنها سے فرمایا تھا: کہ تم معروف طریقے سے اتنا لے لیا کرو جتنا تمہیں اور تمہارے اولاد کیلئے کافی ہو جائے۔[52]

حدیث میں آپ ﷺ نے "بالمعروف" کی قید لگائی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ صرف اپنا حق وصول کرے اور تعدی نہ کرے۔ اور یہ بظاہر احناف کے قول کے مطابق ہے

لہذا اگر مقروض کے اکاؤنٹ میں رقم موجود ہو اور وہ تاخیری حربے استعمال کر رہا ہو تو بینک کے لیے اس کے (اکاؤنٹ) سے وصول کرنا اس وقت جائز ہے (راجح قول کے مطابق) جب اکاؤنٹ اسی کرنسی میں ہو جس کرنسی میں قرض ہے۔ اگر کرنسی مختلف ہے تو پھر قرض کی وصولی کیلئے طرفین کا اتفاق ضروری ہے یا یہ کہ پہلے سے صارف بنک کو یہ اختیار سپرد کر دے کہ بنک کو حق ہے کہ اپنا حق اس کے اکاؤنٹ سے وصول کرلے۔

نوٹ: احناف کے ہاں جو غیر جنس کی صورت میں وصولی جائز نہیں تو اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں حق کی وصولی میں تساوی مشکل ہوتی ہے کہ اپنے حق کا بالکل برابر وصول کرے دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مقروض پر ظلم ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اس مال کو کسی زیادہ مفید کام میں لاکر زیادہ بہتر انداز میں اس سے استفادہ کر سکتا تھا اور ساتھ اس کا قرض بھی ادا کر دیتا۔

خلاصہ:

ا۔ شریعت اسلامیہ نے قرض کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود تاخیری حربے استعمال کرنے کو ظلم قرار دیا ہے

۲۔ مزید یہ کہ شریعت نے اس کو عزت کا مستحق نہیں سمجھا اور اس کو سزا دینے کی بھی اجازت دی ہے اور لوگوں کو اس سے باخبر رکھنے کی بھی اجازت دی ہے۔

۳۔ تاہم ایسے شخص پر مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اضافہ صریح سود اور ربا ہے۔

---

[51] النسآء: ۵۸

[52] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب اذا لم ينفق الرجل للمرأة ان تاخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها بالمعروف، ۷: ۶۵

۴۔ اور جیسے اس اضافہ کا مطالبہ براہ راست درست نہیں اسی طرح عدالت کے ذریعے بھی اس کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔

۵۔ البتہ غیر مالی سزا جیسے کہ بلیک لسٹ کرنا اور دوسروں کو اس کے بارے میں بتانا وغیرہ یہ جائز ہے۔

۶۔ اگر مقروض اپنی مرضی سے اصل رقم اضافہ کے ساتھ واپس کرتا ہے اور اس طرح اضافہ کے ساتھ واپس کرنا اس معاشرے میں معروف نہ ہو اور نہ ہی معاملہ میں اس کی شرط لگائی گئی ہو تو پھر ایسا اضافہ لینا اور دینا جائز ہے۔

۷۔ بعض معاصر علما کے ہاں اگر مقروض کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے قرض دینے والے کو حقیقی نقصان ہوا ہو تو وہ اپنے حقیقی نقصان کا مطالبہ کر سکتا ہے لیکن یہ رائے زیادہ قوی معلوم نہیں ہوتی۔

۸۔ اگر مقروض نے قرض کے مقابلہ میں سیکیورٹی / رہن دیا تھا اور قرض دینے والے نے یہ شرط لگادی کہ اگر وقت پر قرض واپس نہ کیا تو وہ مرہونہ چیز کا مالک بن جائیگا، تو ایسی شرط لگانا جائز نہیں کیونکہ مالک بننے کی صورت میں ان کے درمیان بیع وجود میں آئیگی اور یہ بیع غیر یقینی صورت حال کے ساتھ معلق ہو جائیگی کہ اگر قرض واپس کر دیا تو بیع نہیں ہو گی اور واپس نہ کیا تو بیع وجود میں آجائیگی جو کہ غرر کی وجہ سے جائز نہیں۔

۹۔ البتہ اگر مقروض ٹال مٹول سے کام لے تو موجل قسطوں کی فوری ادائیگی لازم کرنا جائز ہے۔

۱۰۔ اور اگر مبیع مقروض کے پاس اسی حالت میں موجود ہو تو جمہور علما کے ہاں فروخت کنندہ اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔

۱۱۔ اگر معاملہ کے شروع میں مشتری اس بات کا وعدہ کرلے کہ اگر اس نے مقررہ وقت پر رقم واپس نہیں کی تو وہ ایک خاص رقم صدقہ کرے گا یہ جمہور معاصر علما کے ہاں جائز ہے۔

۱۲۔ سپلائی کے عقود میں اگر سپلائر / مال مہیا کرنے والا تاخیر کر دے یا ٹھیکیدار وقت مقررہ کے اندر اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے تو اس پر مالی جرمانہ عائد کرنا جائز ہے۔